حافظ ابنِ رجب حنبلیؒ کی مشہور کتاب ''الخشوع فی الصلوٰۃ'' کا سلیس اردو ترجمہ

نماز

جی لگا کر پڑھیے

ترجمہ

مولانا محمد عبدالقوی

ناشر

برکات بک ڈپو

Barakaath Book Depot

17-1-391/2/M/1, Khaja Bagh, Saidabad, Hyderabad - 59 (A.P.)

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''الخشوع فی الصلوٰۃ'' کا سلیس اردو ترجمہ

نماز

جی لگا کر پڑھیے

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

برکات بکڈپو
Barakaath
Book Depot

تفصیلات طباعت

نام کتاب	:	"نماز جی لگا کر پڑھئے"
تحریر	:	علامہ ابن رجب حنبلیؒ
ترجمہ وتشریح	:	حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ
قیمت	:	20/-

☆☆☆ ملنے کا پتہ ☆☆☆

مکتبہ فیض ابرار

16-2-138/8,Akbarbagh,Malakpet-36,
Hyderabad.A.P.INDIA.-----Ph:4576487.

تقریظ

حضرت مولانا مصطفی صاحب مفتاحی مدظلہ العالی

صدر شعبۂ تخصص فی اللغت والدعوۃ جامعہ دارالعلوم حیدرآباد

یہ رسالہ "نماز جی لگا کر پڑھئے" (جو علامہ ابن رجب حنبلی کی کتاب "الخشوع فی الصلوۃ" کا اردو ترجمہ ہے) میں نے مطالعہ کیا ہے۔ اس رسالہ کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس عبارت سے بخوبی ہو جاتا ہے جو مترجم نے اپنے مقدمہ میں کیا ہے کہ۔

"ظاہر صلوۃ (احکام وارکان) سے متعلق تفصیلات پر بہت سے رسائل مستقلا موجود ہیں اور بآسانی مل جاتے ہیں۔ لیکن باطن صلوۃ (خشوع و خضوع) سے متعلق ذیلا اور ضمنا تو مل جاتے ہیں لیکن مستقلا اس پر کم لکھا گیا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اس رسالہ میں اس پر مبسوط کلام فرمایا ہے۔"

جناب مولانا عبدالقوی صاحب کی خدمات ہمہ جہت ہیں اور وہ ایک فعال عالم دین ہیں۔ ہر وقت معاشرہ کی اصلاح کی فکر و سعی میں مشغول رہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ترجمہ انہی کی محنت کا ثمرہ ہے۔ جو نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔ بلکہ عبارت کے تسلسل کی وجہ سے ترجمہ نہیں مستقل مضمون معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالی ان کی اس محنت و خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے۔ اور اس رسالہ کے نفع کو عام و تام بنائے۔ اور مولانا موصوف کو تادیر بقید حیات رکھ کر مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام

محمد مصطفی مفتاحی

پیش گفتار

الحمدلله رب العلمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین۔ وعلے سائر الصحابۃ والتابعین۔ وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد فان الصلوۃ عمادالدین و عصام الیقین والخشوع فیھا جعله الله سببالفلاح المؤمنین وفقنا الله لتحصیله وجمیع المسلمین۔

نماز عبادات اسلامیہ میں اہم ترین عبادت ہے۔ قرآن و حدیث میں جو کچھ اس کے فضائل آئے ہیں اور اس کے ترک پر جو شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ معروف و مشہور ہیں۔ نماز کا جوہر اور اس کی روح "خشوع" ہے خشوع کے بغیر نماز جسد بے روح کی مانند ہے اس لیے اس کی تاکیدیں بھی قرآن و حدیث میں بے شمار آئی ہیں۔ لیکن افسوس اور صدافسوس کہ ہم مسلمانوں نے دیگر احکام الہی کی طرح اس "اہم العبادات" کو بھی رسمی بنا کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ بے نمازی تو بے نمازی ہی رہے نمازیوں کے نزدیک بھی وہ وقت آنے پر جلدی جلدی چند ارکان کے بجالانے ہی کا نام ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ نماز میں جب تک خشوع و خضوع نہ پیدا ہو اس وقت تک وہ نہ قابل قبول ہوتی ہے اور نہ اس کے برکات و ثمرات ہی آشکارا ہوتے ہیں۔ اس لیے نماز کو اس کے ظاہر و باطن کے کمالات کے ساتھ سیکھنا اہم اور ضروری ہے۔ نماز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کی تکمیل کا

طریقہ یہ ہے کہ تمام ارکان کو طرز مسنون کے موافق ادا کرنے کی مشق کی جائے۔ اور باطن کی تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت دل، اپنی بندگی و نیازمندی، اطاعت و فرمانبرداری کے جذبات سے معمور اور حق تعالی کی بڑائی و کبریائی اور اس کی معبودیت و محبوبیت کے احساسات سے بھرپور ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی کمالات بغیر اس کے علم کے حاصل نہیں ہوسکتے۔

ظاہر صلوۃ (ارکان و احکام) سے متعلق تفصیلات پر بہت سے رسائل مستقلا موجود ہیں اور بآسانی مل جاتے ہیں لیکن باطن صلوۃ (خشوع اور خضوع) سے متعلق مضامین ذیلا و ضمنا تو ملتے ہیں مستقل اس پر کم لکھا گیا ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے اس عنوان پر مستقل اور مفصل کلام فرمایا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں یہ رسالہ اسی کا ترجمہ ہے۔ میں کتاب کے تعارف و تعریف میں آپ کا تھوڑا وقت اور لوں، اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ اصل کتاب ہی کا مطالعہ شروع کر دیجئے۔

البتہ آگے بڑھنے سے قبل اتنا اور سن لیجئے کہ مترجم عام قارئین سے التجا کرتا ہے کہ اس خدمت سے اگر آپ کو کچھ نفع ہوا ہے تو آپ اس کے اور اس کے والدین اور تمام احباب مسلمین کے لیے عافیت دارین کی دعا فرمادیں۔ ساتھ ہی علماء کرام سے درخواست ہے کہ وہ قابل اصلاح امور سے مطلع فرما کر میری مدد فرمادیں تاکہ میں بار مسئولیت سے سبکدوش ہوسکوں جزاکم اللہ۔

والسلام

محمد عبدالقوی

۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ یوم الجمعہ

نظر ثانی: ۲/ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ یوم السبت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلوة

والسلام على سيد المرسلين۔

مابعد!

جس وقت میں نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کا ارادہ کیا تو مجھے اس کے لیے حضرت امام ابن قدامہؒ المقدسی کا ایک نہایت مختصر و مفید مضمون ملا جو انھوں نے نماز کے آداب اور خشوع و خضوع کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ میں اسی کے پیش کر دینے کو کافی سمجھتا ہوں۔

ملاحظہ ہوں، وہ فرماتے ہیں۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو وہ دین کا ستون اور نیکیوں کی سردار ہے نماز کے فضائل بے شمار احادیث میں وارد ہوئے ہیں جو مشہور و معلوم ہیں۔ البتہ نماز کے بہت سے آداب بھی ہیں ..... جن کے اہتمام سے نماز حقیقت میں نماز ہوتی ہے اور انھیں ترک کر دینے سے نماز جسد بے روح کے مانند ہو جاتی ہے۔ ان ہی آداب میں سے ایک ادب نماز میں خشوع کا پیدا کرنا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

"جس شخص نے فرض نماز کا وقت ہوتے ہی اچھی طرح وضو کیا اور رکوع و سجود کو اہتمام سے ادا کیا اور اس میں خشوع کا التزام رکھا تو وہ نماز بلاشبہ اس کے لیے اب تک کئے گئے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے بشرطیکہ کبیرہ سے بچتا رہے۔ اور کسی خاص نماز یا موقعہ کا معاملہ نہیں... بلکہ یہی معاملہ ہر نماز کا ہے۔"

ان ہی سے ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ "جس

نے دو رکعت نماز اس اہتمام سے پڑھی کہ اس میں حدیث نفس کو شامل ہونے نہ دیا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔"

اسی وجہ سے صحابہ کرام خشوع و خضوع اور حضور قلب کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو خشیت خداوندی سے ان کا حال یہ ہوتا تھا گویا کہ وہ ایک لکڑی کا ستون ہیں اور جب سجدہ فرماتے تھے تو پرندے انھیں دیوار سمجھ کر ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دن حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک پتھر آیا اور ان کی چادر کو پھاڑتا ہوا نکل گیا .... لیکن وہ اس جانب متوجہ بھی نہ ہوئے۔

میمونؒ بن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن یسار کو کبھی نماز میں دوسری طرف توجہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ مسجد کا ایک حصہ گر پڑا جس کی آواز سے بازار کے لوگ گھبرا گئے۔ اور وہ مسجد ہی میں نماز پڑھ رہے تھے مگر اس میں اتنے محو تھے کہ اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

حضرت علیؓ بن حسینؓ جب وضو فرماتے تھے تو چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا کسی نے عرض کیا یہ وضو کے وقت آپ کا کیا حال ہو جایا کرتا ہے؟ فرمایا تم جانتے نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں؟

بہرحال معلوم ہونا چاہئے کہ نماز کے کچھ ارکان ہیں کچھ واجبات اور کچھ سنتیں ..... ان سے جسد نماز کی ترکیب ہوتی ہے ..... اور ایک اسکی روح ہوتی ہے ...... جس سے نماز میں قبولیت کی شان پیدا ہوتی ہے۔ نماز کی روح کیا ہے؟ نیت کا صحیح ہونا۔ اخلاص اور عاجزی کا پایا جانا اور حضور قلب! کیونکہ نماز اذکار، مناجات اور کچھ اعمال پر مشتمل ہے اور دل کے استحضار کے بغیر محض زبانی ذکر اور دعاؤں سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر

الفاظ مافی الضمیر کی صحیح تعبیر نہ ہوں تو وہ ہذیان اور بے معنی گفتگو کہلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بغیر حضور قلب کے محض ان الفاظ سے بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ مثلاً قیام کا مقصد اصل میں جذبہ خدمت کا اظہار ہے اور رکوع و سجود سے اپنی ذلت و مالک کی بڑائی کا اعتراف ہے۔ اب اگر قیام اور رکوع و سجود محض ظاہری حرکات ہوں اور اس میں حضور قلب اور وہ جذبات جو ان حرکات سے مقصود ہیں اس میں مفقود ہوں اور موجود نہ ہوں تو بس صورت نماز رہ جائے گی اور صورت کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔

(سورہ حج: ۳۷)

"اللہ تعالی کے پاس ان (قربانیوں) کا نہ گوشت پہونچتا ہے اور نہ خون، بلکہ صرف تمہارا تقویٰ (اخلاص) پہونچتا ہے۔"

مطلب یہ کہ اعمال میں سے اللہ تعالی تک پہونچنے والا جو جز ہے وہ بس یہی وصف ہے جو قلب و دماغ پر اس درجہ غالب ہو کہ بندے کو اللہ تعالی کے تمام احکام و اوامر کی تکمیل تک پہونچادے۔ چنانچہ نماز میں حضور قلب اور خشوع نفس نہایت ضروری امر ہے۔ لیکن شریعت نے اس معاملہ میں غفلت سے تسامح فرمایا ہے یعنی کوشش کے باوجود ذہن ہٹ جائے تو معاف ہے۔ اس لیے حضور قلب اگر نماز کے آغاز میں بھی موجود ہو تو وہ حکم میں اخیر تک باقی رہے گا۔ اور وہ امور جن سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے یا نماز میں زندگی و روح پیدا ہوتی ہے بہت سے ہیں۔ ذیل میں چند ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضور قلب:۔ جیسا کہ ابھی ہم نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور حضور قلب کا مطلب یہ ہے کہ دل کو ایسے خیالات اور وساوس سے محفوظ رکھے جو اسے دوسری جانب متوجہ کرتے ہوں اور اس کا ذریعہ ہمت کا استعمال کرنا ہے۔ اس

لیۓ کہ جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے لامحالہ دل اس جانب زیادہ توجہ کرتا ہے۔ بس حضور قلب کے حاصل کرنے کا ذریعہ صرف ہمت سے کام لینا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے اور ہمت کا استعمال آخرت کے عقیدے پر اپنے اپنے یقین و ایمان اور دنیا کی حقارت کے اعتبار سے کم زیادہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اگر آپ محسوس کریں کہ نماز میں جی نہیں لگ رہا ہے تو سمجھ لیجیۓ کہ یہ نتیجہ ہے ایمان کی کمزوری کا پس فورا اس کو مضبوط اور قوی کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔

(۲) جو کچھ پڑھا جارہا ہے اس کے معنی و مفہوم کو ذہن میں رکھنا۔

استحضار قلب کے لیے یہ بڑی اہم چیز ہے۔ کیونکہ بعض مرتبہ دل صرف الفاظ کی صحت و درستگی میں منہمک و مصروف ہوجاتا ہے اس لیے لازم ہے کہ اس کو دوسری جانب متوجہ کرنے والے خیالات اور اسباب کو ختم کرتے ہوۓ الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کی جانب بھی متوجہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ چیزیں جب تک ختم نہ ہوں گی ان کے خیالات بھی باقی رہیں گے۔

اور خشوع میں خلل ڈالنے والے اسباب دو طرح کے ہیں۔ ظاہری اور باطنی، ظاہری اسباب آنکھوں اور کانوں سے متعلق ہیں اور باطنی اسباب جو کہ اس سے بھی اہم ہیں۔۔۔۔ مثلا ھموم و غموم کی کثرت، مختلف دنیوی افکار و اشغال کا غلبہ،........ اس لیے کہ جب طرح طرح کی الجھنیں ذہن میں ہوتی ہیں تو دھیان کسی ایک عنوان پر قائم نہیں رہ پاتا ہے ایسی صورت میں تو نگاہیں نیچی رکھنا بھی خشوع کے حصول کے لیے کافی نہیں، کیونکہ دل میں پھیلے ہوۓ تمام خیالات اس کو اذکار نماز اور اس کے معنی کے استحضار سے محروم کردیتے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ظاہری اسباب سے حفاظت کے لیے تو سب سے پہلے اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ پر مرکوز کرلے اور قبلہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہوجائے۔ اور نمائش کی چیزوں کی طرف اٹھنے سے اپنی نظر کو بچائے۔ اور ایسی جگہ

نماز نہ پڑھے جہاں اطراف میں پھیلی ہوئی چیزیں اس کی حس کو اپنی طرف مائل کرتی ہوں۔ چنانچہ خود نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے جب ایک خاص قسم کے کپڑے پر کہ جس پر نقش ونگار تھے نماز پڑھی تھی تو اسے ہٹادیا تھا اور فرمایا تھا کہ "قریب تھا کہ اس کی وجہ سے میری نماز ٹوٹ جاتی۔"

اور جہاں تک باطنی اسباب سے بچنے کا تعلق ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ نفس کو زبردستی ان اذکار کی طرف متوجہ کرے جو نماز میں پڑھی جارہی ہیں اور اس کے علاوہ میں لگنے سے اسے جبرا بچاتا رہے اور اس کے لیے نماز شروع کرنے سے پہلے ہی سے تیاری کرے۔ مثلا نماز سے کچھ پہلے ہی مصروفیات ترک کردے۔ اور دل کو خیالات سے فارغ کردے اور نفس کو آخرت کے مسائل، خدا کے سامنے کھڑے ہونے کے مناظر اور قبر و حشر کے دردناک مراحل یاد دلاتا رہے اس کی برکت سے انشاء اللہ نماز میں یکسوئی و توجہ حاصل ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

(۳) اللہ تعالی کی عظمت اور اس کی ہیبت کا استحضار:۔ یہ صفت دو باتوں کے حاصل کرلینے سے حاصل ہوجاتی ہے۔ ایک اللہ کی بزرگی اور اس کی عظمت کی معرفت، دوسرے نفس کے حقیر و ذلیل اور غلام ہونے کی معرفت۔ ان دو باتوں کی کماحقہ، معرفت حاصل ہوجائے تو اس کے ذریعہ سے دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، عاجزی اور بندگی، پھر نمازی کو جس طرح نماز کی کوتاہی پر اللہ تعالی سے ڈرنا چاہیئے اسی طرح اس کی ادائیگی پر اللہ تعالی کی عنایت و شفقت کا امیدوار بھی ہونا چاہیئے اور نمازی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے ہر عمل اور ہر ظاہری رکن کی ادائیگی کے وقت اپنے قلب و باطن کو بھی متوجہ رکھے۔ مثلا جب اذان کی آواز سنے تو فورا اس بلاوے اور پکار کو ذہن میں مستحضر کرلے جو قیامت کے دن اس کو دی جائے گی اور یہ بھی تازہ کرلے کہ کس طرح وہ اللہ تعالی کو جواب دے رہا ہوگا اور کس حالت میں اللہ کے سامنے حاضری ہوگی۔ پھر جب

اپنے کپڑے پہن رہا ہو تو تصور کرے کہ کپڑے بدن کے مخفی حصوں اور قابل شرم اعضاء کو مخلوق سے چھپانے کے لیے پہنے جاتے ہیں۔ میرے باطنی امراض اور برائیاں جو نہایت قابل شرم ہیں جس پر خالق تعالی مطلع ہے اور میں کسی کپڑے کے ذریعہ خدا کی نظر سے اسے چھپا نہیں سکتا سوائے اس کے کہ ندامت، حیاء اور خوف خدا میرے اندر آجائے اور اس کے ذریعہ سے یہ برائیاں محو ہوجاویں اور مٹ جاویں۔

اسی طرح جب قبلہ کی طرف رخ کرے اور سب طرف سے اپنا منہ موڑلے تو اس کا خیال رکھے کہ دل کا اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا اس سے بھی اہم اور ضروری ہے پس جس طرح دوسری سمتوں سے چہرہ ہٹائے بغیر اس کو قبلہ کی طرف کرنا ناممکن ہے اسی طرح دل کا اللہ تعالی کی جانب متوجہ ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ غیر اللہ کی محبت سے نہ ہٹ جائے۔

پھر جب تکبیر کہے تو اس کا خیال رکھے کہ کہیں اس کا دل اس کی زبان کی مخالفت نہ کر رہا ہو اس لیے کہ اگر دل میں کوئی اور چیز کی اہمیت اگر اللہ تعالی سے بھی زیادہ ہوگی تو زبان کا "اللہ اکبر" کہنا ایک جھوٹا دعوی ہے۔ پس اپنی خواہشات کو اللہ تعالی سے بھی بڑا سمجھنے سے بچے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اطاعت کی خاطر اپنی خواہش کا ایثار کرے۔

پھر جب اعوذ باللہ پڑھے تو سوچے کہ تعوذ کے معنی اللہ تعالی کی پناہ میں جانے کے ہیں۔ اگر میرا دل اللہ تعالی کی پناہ اور حفاظت میں نہیں ہے تو پھر یہ میرا کلام فضول اور بے معنی ہوگیا۔ اسی طرح جو کچھ پڑھا جارہا ہے اس کے معنی کا بھی دھیان رکھے۔ مثلاً الحمدللہ رب العالمین کہتے وقت قلب میں رب العالمین کا استحضار اور "الرحمن الرحیم" کے وقت اس کی مہربانیوں اور احسانات کا تصور، "مالک یوم الدین" کہتے وقت اس کی عظمت اور بزرگی کا احساس رہے۔ اسی طرح

پوری تلاوت کے دوران مفہوم و مطالب کو مستحضر رکھے۔

حضرت زرارہؓ بن ابی اوفی کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے جب نماز میں یہ آیت تلاوت کی (فاذا نقر فی الناقور) تو اسی وقت گر پڑے اور جان بحق ہو گئے۔ اس کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ آیت کو زبان سے تلاوت کرتے وقت قلب میں اس دن کا تصور آگیا اور وہ روز حشر کے منظر کی تاب نہ لا سکے۔

(یہاں تک ابن قدامہؒ المقدسی کا مضمون تھا۔ اس کے بعد
مصنف کتاب حافظ ابن رجبؒ حنبلی کا مضمون شروع ہوتا ہے۔)

الخشوع فی الصلاۃ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو ٹوٹے دلوں کو اپنے حکم سے جوڑنے والا اور بخشش چاہنے والوں کے گناہوں کو اپنے فضل سے معاف کرنے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک و ساتھی نہیں اور نہ کوئی چیز اس کی جیسی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالی نے انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سارے ادیان پر غالب کردے اور انھیں بادشاہ یا بندہ بننے میں اختیار دیا تو انھوں نے بندگی اور رسالت کے مقام کو بادشاہت کے مقابلہ میں ترجیح دے کر اختیار فرمالیا اور جنھوں نے مسکنت کے مقام کو پسند کرتے ہوئے اپنی دعاؤں میں فرمایا تھا۔ "اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھئے اور مسکینی کی موت دیجئے اور مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرمائیے۔" صلوۃ و سلام ہو ان پر اور ان کی آل اولاد پر اور جو ان کے دامن کو تھام کر چلیں ان پر۔

امابعد: اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں عاجزی، فروتنی، بندگی و نیازمندی اختیار کرنے اور اپنے آپ کو اس کی عظمت و جلالت کے آگے جھکا دینے والوں کی تعریفیں فرمائی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا ہے:

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ۔ (انبیاء:۹۰)

"بے شک وہ لوگ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے، اور

امید و بیم (ہر حال) میں ہم کو پکارنے والے تھے اور وہ ہمارے لیے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔"

اور جیسے فرمایا: وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ۔ (احزاب: ۳۵)

"اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی اختیار کرنے والی عورتیں (ان کے لیے بھی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے)۔

ایک جگہ نماز جیسی اہم عبادت کے اندر مومنین کے خشوع و خضوع کی توصیف و تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قد افلح المؤمنون الذين هم فى صلا تهم خاشعون (مومنون: ۱-۲)

" بلاشبہ فلاح پاگئے وہ مومن جو نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں۔"

اور ایک جگہ اہل علم کا قرآن مجید کو سن کر خشوع و خضوع اختیار کرنے کی صفت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحَانَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔

(اسراء ۱۰۷ تا ۱۰۹)

" بے شک اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا (ان کی حالت یہ تھی کہ) جب ان کے سامنے (ہماری کتاب کی) تلاوت کی جاتی تو سجدہ ریز ہو جاتے اور یوں کہتے ہمارا پروردگار پاک ہے اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور وہ تھوڑیوں کے بل گر پڑتے روتے ہوئے اور ان کی عاجزی بڑھ جاتی۔"

اور خشوع کا حاصل قلب کی نرمی، پستی، اطمینان، انکساری اور اس کی گرم جوشی ہے پھر جب دل خاشع ہو جاتا ہے تو اس کی مطابقت میں تمام اعضاء و جوارح میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سب دل کے تابع ہیں۔ جیسا کہ خود آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"خبردار جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سنو وہ دل ہے۔"

بس جب دل میں خشوع آجائے تو پھر آنکھ، کان، سر، چہرہ اور تمام اعضاء اور جو کچھ ان سے اعمال صادر ہوتے ہیں ان سب میں خشوع پیدا ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ گفتگو بھی خشوع پذیر ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اندر رکوع کی حالت میں فرماتے تھے۔ "یا اللہ آپ کے جلال و عظمت کے سامنے میری شنوائی، بینائی، دماغ اور ہڈیاں سب کے سب جھک گئے۔"

کسی بزرگ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں کھیل رہا ہے تو فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع و خضوع ہوتا تو اس کا بدن کبھی ایسی لغو حرکت نہ کرتا اور وہ بھی خاشع رہتا۔

مسعودی نے حضرت علیؓ سے (اَلَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ) کی تشریح میں فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے جس کی ظاہری علامت، بھائی مسلمان کے ساتھ ہمدردی اور نرم معاملگی کا پایا جانا اور نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہونا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تشریح میں فرمایا ہے کہ خشوع سے مراد دل میں اللہ تعالی کا خوف اور ارکان کے ادا کرنے میں سکون و اطمینان ہے۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ خشوع اگر دل میں ہوتا ہے تو نماز میں نگاہیں نیچی رہتی ہیں۔ مجاہدؒ نے خاشعین کی تفسیر "متواضعین" سے فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے تعلی و بلندی کے مقابلہ میں اس لفظ ۔۔۔ خشوع ۔۔۔ کا استعمال فرمایا ہے۔

وَمِنْ اٰیَاتِهٖۤ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ۔ (فصلت،۳۹)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو پژمردہ دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو ترو تازہ ہو جاتی ہے بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع بلندی و برتری کی ضد ہے۔ اور جب خشوع قلب میں پیدا ہوتا ہے تو بڑائی، خود بینی اور تکبر و ترفع خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور ان امراض کا موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ قلب خشوع کی صفت سے معرّی ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ زبردستی خشوع کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں حالانکہ ان کے قلوب خشوع و خضوع سے عاری اور تواضع و فروتنی سے خالی ہوتے ہیں۔ ایسے خشوع کو "خشوع نفاق" کہا جاتا ہے۔ جس سے تمام اکابر، بزرگان دین پناہ مانگتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لوگو! اللہ تعالی سے منافقانہ خشوع سے پناہ مانگو۔" عرض کیا گیا یہ منافقانہ خشوع کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "بدن تو خاشع ہو مگر دل اس صفت سے محروم ہو"۔ تو اس کو خشوع نفاق کہتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا گردن جھکائے چلا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا اے شخص! اپنا سر اٹھالے اس لیے کہ خشوع قلب میں ہوتا ہے اور جو شخص دل میں تو خشوع نہ رکھے اور یہ بناوٹی چال اختیار کرے تو وہ خشوع نہیں بلکہ نفاق در نفاق ہے۔

خشوع حاصل کرنے کا طریقہ اللہ تعالی کی معرفت اور اس کی عظمت اور صفات جلال و کمال کا اپنے دل میں استحضار ہے۔ چنانچہ جو اللہ تعالی کی جتنی

معرفت رکھتا ہوگا اتنا ہی وہ خاشع و خاضع ہوگا۔ اور خشوع و خضوع معرفت الٰہی کے اقسام اور اس کی مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ خشوع و خضوع کے اسباب مختلف ہوتے ہیں اسلئے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔

کسی پر اللہ تعالیٰ کی صفت علم و خبر کا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ ذات ہر وقت اور ہر آن بندوں کی حرکات و سکنات حتیٰ کہ ان کے ضمیر و سریر کے حالات و کیفیات سے پوری طرح باخبر ہے۔ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے خلاف حکم کوئی کام نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے قلب کی یہی چیز اس میں خشوع و خضوع پیدا کردیتی ہے۔

کسی کا دل اللہ تعالیٰ کے کمال و جمال سے زیادہ متاثر ہوتا ہے کہ کس طرح اس کا ایک ایک کام بے نظیر کمال لیے ہوئے اور بے مثال مصالح و حکم سے معمور ہے۔ جس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے جمال جہاں آراء سے محبت اور اس کے دیدار و ملاقات کا شوق ہو۔ یہی صفت اس میں خشوع پیدا کردیتی ہے۔

کسی پر اللہ تعالیٰ کی بطش شدید اور قہر و غضب کی صفات کا استحضار ہوتا ہے۔ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے۔ تو یہی احساس و استحضار، اس میں خشوع کے پیدا ہونے کا ذریعہ ہوجاتا ہے۔

بہرحال دل میں خشوع و خضوع پیدا ہونے کا ذریعہ اس کی صفات عالیہ کا تصور و استحضار ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کے ٹوٹے دلوں کو جوڑتا ہے اور مناجات کرنے والوں، دعائیں مانگنے والوں اور استغفار کرنے والوں کے قریب ہوتا ہے اور ان کی دعا سنتا ہے۔ اور ان کی مانگ انھیں عطا کرتا ہے اور بلاشبہ عاجزی و انکساری ہی اللہ کے تقرب کی سب سے اعظم اور اسہل شکل ہے۔

امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا یا اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا "شکستہ دل لوگوں کی صحبت

میں مجھے تلاش کرو (تو پالوگے) اس لیے کہ میں ہر دن ان سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو ان کے دل میری محبت کی تاب نہ لانے کی وجہ سے ٹوٹ جائیں گے۔

عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا قلوب اللہ کی محبت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ شکستہ دل کا یہ مطلب ہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ کہے گا پروردگار میں کیسے آپ کی عیادت کرتا جب کہ آپ خود رب العالمین ہیں۔ فرمائے گا کہ تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں پالیتا۔"

اس حدیث سے خود ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی ایسے شکستہ دل اور پریشان حال بندوں کے قریب رہتے ہیں جو راضی بہ رضا اور صابر علی البلار ہتے ہیں۔

ابو نعیمؒ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے پوچھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے شرف رسالت اور کلام کے لیے آپ کو کیوں منتخب کیا؟ فرمایا خدایا نہیں معلوم۔ اللہ تعالی نے فرمایا تمہاری اس خاص منکسر المزاجی اور تواضع پسندی کی وجہ سے جس کا تم میرے سامنے مظاہرہ کرتے ہو۔

اور ان کی وہ خاص تواضع کیا ہے؟ یہی خشوع اور علم نافع ہے اور خشوع سب سے پہلے علم ہی سے اٹھالیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت حسنؓ سے مروی ہے۔

شدادہؓ بن اوس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دنیا سے علم اٹھالیا جائے گا اور علم میں سب سے پہلے خشوع اٹھالیا جائے گا۔ حتی کہ تم دیکھو گے کہ روئے زمین پر ایک بھی خاشع نہیں رہے گا۔

اور علم نافع وہ علم ہے جو دل میں اتر جائے اور اس میں مسکنت و خشیت عاجزی و فروتنی اور منکسرالمزاجی کو پیدا کردے ۔ اور اگر علم قلب کے اندر یہ کیفیات نہ پیدا کرے بلکہ صرف زبان تک محدود رہے تو وہ علم نہیں بلکہ اللہ کی ایک حجت ہے جو اس کے خلاف قیامت میں قائم کی جائے گی۔

جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے سینے کے نیچے نہیں اترتا (یعنی دل میں) اگر وہ دل میں اتر جائے اور اس میں راسخ ہو جائے تب اپنے پڑھنے والے کو نفع دے گا ورنہ نہیں۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں علم دو طرح کے ہیں ۔ ایک علم لسانی اور دوسرا علم قلبی۔ علم قلبی ہی کو علم نافع کہتے ہیں اور علم لسانی تو بنی آدم پر اللہ کی حجت ہے۔

اس معنی میں اللہ تعالیٰ نے خشیت کو علماء کا امتیازی وصف قرار دیا ہے

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ (فاطر، ۳۸)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں۔"

اس طرح ایک اور جگہ فرمایا:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (زمر ۹)

"یا وہ شخص جو رات بھر سجدہ و قیام (نماز) کرتے ہوئے عاجزی کرتا ہو۔ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت و عنایت کا امیدوار ہو۔ (وہ بہتر ہے) آپ فرمادیجئے کہ کیا اہل علم اور غیر اہل علم (مرتبہ میں) برابر ہو سکتے ہیں۔"

علماء اہل کتاب کی تعریف میں فرمایا۔

اِنَّ الَّذِینَ اُوتُوالعِلمَ مِن قَبلِہٖ اِذَا یُتلٰی عَلَیھِم یَخِرُّونَ لِلاَذقَانِ سُجَّدًا وَیَقُولُونَ سُبحَانَ رَبِّنَا اِن کَانَ وَعدُ رَبِّنَا لَمَفعُولاً۔ وَیَخِرُّونَ لِلاَذقَانِ یَبکُونَ وَیَزِیدُھُم خُشُوعًا۔

(اسراء: ۱۰۷ تا ۱۰۹)

"بے شک اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا (ان کی حالت یہ تھی) جب ان کے سامنے (ہماری کتاب کی) تلاوت کی جاتی تو سجدہ ریز ہوجاتے۔ اور یوں کہتے ہمارا پروردگار پاک ہے اور اس کا وعدہ پورا ہوکر رہے گا اور وہ تھوڑیوں کے بل گر پڑتے روتے ہوئے۔ اور ان کی عاجزی بڑھ جاتی۔"

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جن کے قلوب آیات قرآنیہ کو سن کر خشوع پذیر ہوجاتے ہیں۔

اور اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرمایا:

فَوَیلٌ لِّلقَاسِیَةِ قُلُوبُھُم مِن ذِکرِاللّٰہِ اُولٰئِکَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِینٍ۔ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقشَعِرُّ مِنہُ جُلُودُ الَّذِینَ یَخشَونَ رَبَّھُم ثُمَّ تَلِینُ جُلُودُھُم وَقُلُوبُھُم اِلٰی ذِکرِ اللّٰہِ۔ (زمر ۲۲-۲۳)

"جن کے دل یاد الٰہی سے سخت (بیزار) ہیں وہی کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ نے عمدہ کلام نازل کیا ہے۔ ملتا جلتا ہوا (مضامین میں) دوہرائی جانے والی کتاب ہے جس سے خداترس لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کے رونگٹے اور دل یاد الٰہی کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔"

اور لینُ القلوب اس نرمی کو کہتے ہیں جو خشوع کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے دل میں پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جن کے دل سماع

قرآن کے بعد خاشع و خاضع ہو جاتے ہیں وہیں ان لوگوں کی مذمت بھی کی گئی ہے جو قرآن مجید کو سن کر متاثر نہیں ہوتے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔ (حدید: ۱۶)

" کیا ایمان والوں کے لیے (ابھی) وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور قرآن مجید سے ڈر جاویں۔ "

اور بزرگان سلف کے بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جب یہ آیت ان کے سامنے پڑھی گئی تو ان کے دل حد درجہ متاثر ہو گئے۔ پھر ان میں سے بعضے تاثر قلبی کی تاب نہ لاکر اسی وقت وفات پاگئے اور بعضے اسی تاثر کی بناء بد عملیوں سے تائب ہو گئے۔ مثلاً فضیلؒ بن عیاض۔ ہم نے اس قسم کے واقعات کو اپنی کتاب "الاستغناء بالقرآن" میں جمع کر دیا ہے۔ ایک اور ارشاد باری ہے :

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔ (حشر: ۲۱)

"اگر اس قرآن کو ہم کسی پہاڑ پر اتارتے تو (اے مخاطب) تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے گھبرا جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔"

معلوم ہوا کہ ہر مومن کو چاہئے کہ وہ کلام الٰہی کی اس امانت کو اپنے دل میں لیے ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے نڈر و بے خوف ہو جانے سے بچے۔

اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دل سے پناہ مانگتے تھے جو اللہ سے ڈرتا نہیں۔ صحیح مسلم میں زیدؓ ابن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوۃ لا یستجاب لھا۔

"کعبؓ احبار فرماتے ہیں انجیل میں ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا اے عیسیٰؑ!

جو قلب خاشع نہ ہو اس کو نہ علم نفع دیتا ہے۔ نہ اس کی پکار سنی جاتی ہے، نہ اس کی دعاؤں کو قبولیت کے لیے آسمانوں پر اٹھایا جاتا ہے۔"

فائدہ: حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو اگر وساوس پریشان کر رہے ہوں اور نفس بے کار خیالات میں گھرا ہوا ہو تو اس وقت قرآن مجید کی اس آیت کی طرف دل کو متوجہ کر دینا چاہئے اور اسے یاد دلانا چاہئے کہ اسے اس عظیم بوجھ اور امانت کا امین و متحمل بنایا گیا ہے جس کا پہاڑ بھی تحمل نہ کر سکے۔ پھر ان بے ہودہ خیالات اور دور از کار خرافات کا تجھ میں گزر کیسے؟ انشاء اللہ اس مضمون کے استحضار سے تمام وساوس و خطرات بھاگ جائیں گے۔

............نے "کتاب الورع" میں حضرت حسنؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بلاشبہ صحابہ کرامؓ کے پاس جب اللہ تعالی کی دعوت ایمان پہونچی تو انھوں نے اسے دل و جان سے قبول کرلیا۔ اور اس کے ..... بلکہ صرف اسی کے ..... حق ہونے کا یقین ان کے قلوب میں اتر گیا۔ چنانچہ اللہ تعالی کی بڑائی و کبریائی کے آگے نہ صرف ان کے جسم بلکہ ان کے قلوب و اذہان حتی کہ بینائی، شنوائی، گویائی بھی جھک گئے۔

تم لوگ اگر انھیں دیکھتے تو تم سوچ میں پڑجاتے کہ یہ کیسی عجیب قوم ہے اور ان کے ایمان و یقین کی رفعتیں تمہیں حیرت میں ڈال دیتیں۔ اللہ کی قسم ان میں باطل کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہ باہمی خلاف و شقاق سے بھی بالکل محفوظ تھے اس لیے کہ ہر معاملہ میں وہ اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے بے لاگ فیصلوں سے ہر طرح مطمئن اور اس پر عمل پیرا تھے۔ پھر بھی ان کے سامنے کوئی حکم اللہ تعالی کا مزید آپہونچتا (اور کسی سابقہ حکم کو منسوخ کیا جاتا مثلاً) تو وہ بے چوں و چرا اس کی بھی تصدیق کرتے اور اسے قبول کرلیتے۔ اسی لیے اللہ تعالی نے ان کی

خاص انداز سے تعریف فرمائی ہے ۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ (فرقان: ۶۳)

" اور رحمن کے (خاص) بندے (وہ ہیں) جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور انھیں اگر کوئی جاہل منہ لگے تو (الجھنے کے بجائے) یہ کہہ دیتے ہیں کہ (بھائی ہمارا) سلام"

مطلب یہ کہ وہ لوگ بڑے متحمل مزاج اور نادانی و جہالت سے دور و نفور رہتے اگر کوئی اپنی طرف سے ان سے جہالت کا معاملہ کرے تو ان سے الجھنے اور وقت ضائع کرنے کی بجائے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے اور حسن تدبیر کے ذریعہ ان جہلاء سے علحدہ ہوجاتے اور سارا دن خدا کی بندگی و عبادت کے فرائض بجالانے میں گزار دیتے ۔ اسی طرح جب رات آتی تو ان کی رات بھی بڑی خیر و خوبی کے اعمال کے ساتھ گزرتی ۔ چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (فرقان: ۶۴)

" اور وہ جو راتوں کو اپنے پروردگار کے حضور سجدہ و قیام کی حالت میں گزار دیتے ہیں "

اور راتوں میں اپنے پروردگار کے خوف و خشیت سے ان کی آنکھیں اشکبار رہتی ہیں پس اپنے خدا کی خوشنودی کے لیے دن میں بندگی و فروتنی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور رات کو بیداری اور آہ و زاری اور اس کے عذاب و عتاب سے پناہ مانگنے میں مصروف رہتے ہیں ان کی نہایت دردمندانہ التجا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۔ (فرقان: ۶۵)

" اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کا عذاب ہٹالیجئے "

بلاشبہ اس کا عذاب بڑا سخت ہے ۔

اس کے بعد حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ان لوگوں نے جب دعوی کیا کہ "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں" تو اس پر عمل بھی کر دکھایا۔ اور تم صرف تمناؤں اور آرزوؤں میں رہتے ہو۔۔۔۔۔ اللہ تم پر رحم کرے۔۔۔۔۔ محض ارمانوں میں اوقات عزیز کو ضائع کرنے سے بچو کیونکہ اللہ تعالی کا دستور ہے کہ وہ صرف ارمانوں اور آرزوؤں میں پڑے رہنے (اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد نہ کرنے) والوں کو ان نری آرزوؤں کو کوئی صلہ نہیں دیتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

فصل

نماز میں خشوع کے بیان میں

بلاشبہ اللہ تعالی نے ایسی عبادات مشروع فرمائی ہیں جو ذریعہ ہیں قلب کے اندر مخفی تذلل، مسکنت اور خشوع و خضوع کے اظہار کا۔ اور ان عبادات میں سب سے اہم و اعظم عبادت نماز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے نماز میں خشوع اختیار کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔ (مومنون)

"بلاشبہ فلاح پائی ان مومنوں نے جو نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

سعید بن جبیرؒ نے "خاشعین" کی تفسیر "متواضعین" سے فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ خشوع کے معنی تواضع و انکساری ہے اور اس قدر یکسوئی کا اختیار کرنا ہے کہ نمازی کو اس کی بھی خبر نہ ہو کہ اس کے داہنے کون ہے اور بائیں کون ہے اور قلب کو اللہ تعالی کی بڑائی اور عظمت و کبریائی کے تصور پر قائم رکھنا۔

مجاہدؒ نے قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "قنوت" عاجزی و فروتنی، احساس بندگی، نگاہوں کے نیچا رکھنے اور پہلوؤں کے بچھا دینے کو کہتے ہیں، اور فرمایا کہ علماء سلف جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو نماز ختم ہونے تک رحمن کی شان کبریائی کا تصور کرتے ہوئے نگاہوں کو ادھر ادھر گھومنے سے بچاتے تھے۔ اسی طرح کنکریوں سے کھیلنے یا کسی اور حرکت کے کرنے یا نفس کو دنیوی امور میں ملوث ہونے سے سختی سے بچاتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جو مسلمان نماز کا وقت ہوتے ہی نہایت اہتمام سے وضو کر کے خشوع و خضوع کے اہتمام اور رکوع و سجود میں اعتدال کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے لیے پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ کبیرہ سے بچتا ہو۔ اور یہ (یعنی نماز کا یہ اثر) کسی خاص موقعہ کے لیے نہیں بلکہ زندگی بھر کے لیے ہے۔"

نماز کے بعض ارکان تو محض بندگی و بے چارگی کے اظہار ہی کے لیے ہیں۔ مثلاً قیام میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھ لینا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے اس عمل کی مصلحت پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا یہ عمل زبردست و طاقتور آقا کے سامنے بندے کی بندگی و بے چارگی کے اظہار کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ "لوگ قیامت کے دن نماز میں ان کی کیفیت کے اعتبار سے اٹھائے جائیں گے۔" اس کی تشریح میں صالحؒ سمان نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس طرح اٹھائے جائیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ کو چاہیئے کہ وہ جب نماز کے اندر حالت قیام میں ہو تو اس کا استحضار کرے گویا وہ اللہ کے سامنے حساب دینے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔

حضرت ذوالنونؒ اللہ والوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ وہ جب نماز کا ارادہ کرتے ہیں اور مصلے پر پہونچ کر کلام الٰہی کی تلاوت شروع کردیتے ہیں تو اچانک ان کی آنکھوں میں قیامت کا ہولناک منظر گھوم جاتا ہے کہ لوگ کس طرح رب العالمین کی بارگاہ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ بس اس خیال کے آتے ہی ان کی کیفیت بدل جاتی ہے دل دھڑکنے لگتا ہے، اور عقل ماند پڑجاتی ہے۔

اسی طرح نماز میں ایک عمل اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہونا ہے کہ

غیر اللہ کا دھیان بالکل نکل جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دل کو ان چیزوں کی طرف متوجہ ہونے نہ دینا جو اس کے لیے درست نہیں اور اسے اللہ تعالی کی طرف توجہ اور اس کے مراقبہ کے لیے بالکل خالی کر دینا۔

صحیح مسلم میں عمرؓ بن عبسہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کے فضائل اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں گفتگو فرمائی اس کے بعد فرمایا۔ "پھر اگر وہ کھڑا ہو کر اس طرح نماز ادا کرے کہ اس میں خوب اللہ کی تعریف کرے اور اس کی شایان شان بزرگی بیان کرے اور اپنے دل کو اللہ کے تعلق کے لیے خالی اور فارغ رکھے تو وہ نماز ختم کرنے پر گناہوں سے ایسا پاک ہو گا جیسا اپنی پیدائش کے دن پاک تھا۔"

(۲) نظر کو دائیں بائیں یا کسی بھی طرف پلٹنے اور مشغول ہونے سے باز رکھنا بلکہ نگاہ کو سجدہ کی جگہ ہی پر جمائے رکھنا۔ اور یہ عمل خشوع کے پیدا کرنے میں سب سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر حصول خشوع ممکن نہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے جسے طبرانی نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز میں دائیں بائیں متوجہ ہو جایا کرتے تھے پھر اللہ تعالی نے "قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون" نازل فرمائی تو آپؐ نے خشوع اختیار فرمالیا کہ پھر اس کے بعد آپ دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خشوع کے لیے نظروں کا ادھر ادھر پھرنے سے بچائے رکھنا بہت ضروری ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ یا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ ایک فریب ہے جس کے ذریعہ سے شیطان بندہ کی نماز اچک لیتا ہے۔"

امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتا (بلکہ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے) اس وقت تک اللہ تعالی اس کی جانب متوجہ رہتے ہیں اور جب وہ آنکھیں بھٹکانے لگتا ہے تو اللہ تعالی بھی اپنی توجہ ختم فرمادیتے ہیں۔"

امام احمدؒ نے حارث اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بے شک اللہ نے یحییٰؑ ابن زکریاؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کیا کریں" پھر آپ نے ان پانچ میں اس کا بھی ذکر فرمایا کہ اللہ تعالی نے انھیں نماز کا حکم دیا تھا اور بلاشبہ اللہ تعالی حالت نماز میں اپنا رخ بندہ کی طرف کرلیتے ہیں جب تک کہ وہ ادھر ادھر نہ دیکھنے لگے۔ اس لیے جب بھی تم نماز پڑھو اپنے آپ کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھو، ادھر ادھر التفات مت کرو" عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم نماز پڑھا کرو تو ادھر ادھر مت دیکھا کرو کیونکہ اس وقت تم اپنے پروردگار سے مناجات میں مشغول رہتے ہو اور ایسے وقت دوسری جانب توجہ نہیں کی جایا کرتی۔ عطاءؒ کہتے ہیں یہ بات بھی ہم کو پہونچی ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں "میرے بندے، تو کدھر دیکھ رہا ہے میں اس سے زیادہ بہتر ہوں جس کی طرف تو دیکھ رہا ہے۔"

ابو عمرانؒ نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اے موسیٰؑ جب تم میرے سامنے کھڑے ہوا کرو تو حقیر و ذلیل غلام کی طرح کھڑے ہوا کرو اور جب مجھ سے مناجات کرو تو ڈرنے والے دل اور سچی زبان کے ساتھ کیا کرو۔

اسی طرح نماز میں ایک عمل رکوع ہے اور وہ درحقیقت جسم کی عاجزی کا اظہار ہے اسی وجہ سے عرب قوم رکوع کرنے سے بہت احتیاط کرتی تھی۔ یہاں

تک بعض قوموں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کرنا چاہا کہ وہ سجدہ تو کریں گے مگر رکوع نہیں کریں گے۔ امام احمدؒ اور دوسرے محققین نے (واذا قیل لھم ارکعوا لایر کعون) کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

پھر نماز میں ایک عمل سجدہ ہے اور وہ پروردگار کے آگے بندے کی بندگی کا سب سے اہم عمل ہے۔ اس طور پر کہ بندہ اشرف اعضاء یعنی سر کو (جس کو کسی کے آگے خم نہیں کرتا) پروردگار عالم کے آگے انتہائی حقارت کے ساتھ زمین پر رکھ دینا اور خاکساری کا اظہار کرتا ہے اس میں دل بھی خود بخود ذلیل و خوار ہو کر جھک جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس عمل پر مومن کو ثواب خداوندی کا انعام حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ۔ "بندہ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے" خود قرآن میں بھی آیا ہے۔ واسجد واقترب۔

اور سجدہ بھی مشرکوں کے لیے سخت ناگوار ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض لوگ سجدہ سے گریز کرتے ہوئے اس کے بدل کے طور پر تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر مل لیتے تھے اور اسی کو کافی سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ سجدہ ان پر بہت شاق تھا۔ اور ابلیس اسی لیے تو مردود ہوا کہ اللہ تعالی نے جب ادمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس نے نہیں کیا۔ چنانچہ جب مومن بندہ سجدہ میں جاتا ہے تو شیطان رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ اولاد آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو انھوں نے سجدہ کیا ان کے لیے جنت ہے اور مجھے حکم دیا گیا تو میں نے نہیں کیا تو میرے لیے دوزخ ہے

اور رکوع و سجود میں ذلت و مسکنت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ بزبان حال و بزبان قال دونوں سے اس کا گویا اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ ذلت و رسوائی میری صفت ہے اور کبریائی و بڑائی آپ کی صفت ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کو مشروع کیا گیا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی کبھی سجدہ میں " سبحان ذی الملک والملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة " پڑھا کرتے تھے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ نے ایک جہری نماز پڑھائی پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو قوم سے خطاب کر کے پوچھا کہ میں نے اس سورۃ میں کوئی آیت تو نہیں چھوڑدی۔ صحابہؓ نے کہا ہمیں نہیں معلوم۔لیکن حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا۔ہاں یارسول اللہؐ فلاں آیت ترک ہو گئی۔اس پر آپ نے فرمایا۔" کیا حال ہے اس قوم کا جس کے سامنے خدا کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور اسے ہوش بھی نہیں کہ کیا چھوٹ گیا پڑھنے میں۔اسی طرح بنی اسرائیل کے قلوب سے اللہ تعالی کی عظمت نکال دی گئی تھی کہ عبادات میں ان کے جسم تو حاضر رہتے لیکن دل غائب رہتے تھے۔اور یاد رکھو اللہ تعالی ایسی عبادت قبول نہیں فرماتے جس میں جسم تو حاضر ہوں مگر دل غائب ہوں۔"

فصل

آدابِ دعا کے بیان میں

جن عبادات سے بندوں کا اللہ تعالیٰ کی بندگی عاجزی و مسکنت کے مزاج کا خاص اظہار ہوتا ہے ان میں سے ایک اہم عبادت دعا بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ (اعراف: ۵۵)

"پکارو اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے۔"

اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِى الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ۔ (انبیاء: ۹۰)

"بے شک وہ لوگ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے، اور امید و بیم (ہر حال) میں ہم کو پکارنے والے تھے اور وہ ہمارے لیے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔"

اور دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مزید اظہار تذلل و مسکنت کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف و متعدد موقعوں پر دعا میں ہاتھ اٹھانا بکثرت ثابت ہے۔ خصوصاً استسقاء کے لیے تو آپ اپنے ہاتھوں کو اس قدر بلند فرمادیتے تھے کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ اسی طرح بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ شب کو اللہ تعالیٰ کے حضور تنہائی میں سکون کے ساتھ سر جھکائے بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھتے ہیں۔ یہ نہایت عاجزی و مسکنت کی بہترین

ظاہری شکل ہے۔

اسی طرح دعا میں دل کا محتاج ہو کر متوجہ ہونا بھی بہت ضروری ہے اور اس کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کی محتاجی کے احساس اور ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اس کی طرف توجہ اور اس سے التجا کے ذریعہ ہوتا ہے اور جتنی اس کی محتاجی کا احساس اور اس کی ضرورت کا پاس دل میں ہوگا اسی کے اعتبار سے قبولیت دعا کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

مسند احمد اور ترمذی میں مروی ہے کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں فرماتے جو غفلت و لاپرواہی کے ساتھ کی گئی ہو"

اسی طرح دعا میں اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ الفاظ بھی ایسے اختیار کئے جائیں جن سے حاجت مندی، نیازمندی اور بندگی کا اظہار ہو رہا ہو۔ چنانچہ امام اوزاعیؒ فرمایا کرتے تھے "اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و نیازمندی کا اظہار کرنا اور لگ لپٹ کے مانگتے رہنا سب سے افضل دعا ہے۔"

طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن یوں دعا فرمائی ۔

"اے اللہ بلاشبہ آپ میرے موقف سے باخبر ہیں اور میری آواز کو سن رہے ہیں اور آپ سے میری کوئی بات مخفی نہیں۔ میں گھبرایا ہوا، محتاج، مزدور، خوف زدہ، قابل رحم اور گناہوں کے اعتراف کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔ بھکاری کی طرح سوال کرتا ہوں۔ اور قصور وار و شرمسار کی طرح گڑگڑاتا ہوں۔ نقصان زدہ اور خوف زدہ کی طرح آپ سے مانگتا ہوں۔ آنسوؤں کو بہاتے ہوئے، ناک رگڑتے ہوئے، گردن جھکائے اور پستی و فروتنی کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ آپ مجھے اپنی اجابت و قبولیت سے محروم نہ فرمائے گا۔ اور مجھ پر شفقت

ورحمت کا معاملہ فرمائے گا۔ اے بہترین قابل سوال اور مالک عطاء"

دیکھئے کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک الملک کی بارگاہ میں التجا واستدعا کے آداب سکھائے اور تعلیم دی ہے۔ یہ طریقہ ہے مانگنے کا اور اس طرح مانگ کر یقین ہے کہ کوئی بھی اس کے رحم وکرم سے محروم نہ ہو گا۔

اور بعض بزرگوں سے دعا والتجا کے الفاظ یوں منقول ہے کہ ۔

"تیری عزت اور میری ذلت، تیری بے نیازی اور میری محتاجی کے طفیل مجھ پر رحم فرمادے۔"

طاؤس فرماتے ہیں :۔ علیؒ ابن حسینؓ ایک مرتبہ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہوگئے ۔ میں نے سنا کہ آپ سجدہ میں اس طرح عرض معروض کررہے تھے ۔

فقیرک بفنائک۔عبدک بفنائک۔مسکینک بفنائک

طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو یاد کرلیا۔ پھر یہ معمول بنالیا کہ جب بھی کوئی پریشانی مجھے آتی میں ان الفاظ کے ذریعہ دعا کرتا ہوں اور وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

بہرحال مانگنے کا حق یہ ہے کہ الفاظ دعا میں بھی مسکنت، عبدیت اور تذلل وتضرع کا خیال رکھنا چاہیئے۔ لاپرواہی اور بے نیازی کا انداز دعا کو قبولیت کی راہ سے دور کردیتا ہے۔

فصل

غرباء و مساکین سے محبت کرنے کے بیان میں

ابن ماجہ نے ابوسعید خدری ؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! مجھے غریب رکھئے، غریبی میں موت عطا فرمائیے اور غریبوں کے طبقہ میں مجھے قیامت کے دن اٹھائیے"۔

یہی حدیث حضرت انس ؓ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا ایسا کیوں؟ یارسول اللہ ..... یعنی آپ ایسی دعا کیوں مانگتے ہیں ..... فرمایا اس لیے کہ غرباء جنت میں اغنیاء یعنی (مال داروں) سے چالیس سال پہلے داخل ہوں گے "اے عائشہ ؓ غریبوں کو محروم نہ کرنا (بلکہ ان کی اعانت و مدد کرتی رہنا) چاہے کھجور کی ایک پھانک ہی کے ذریعہ سہی۔ عائشہ ؓ! ان سے محبت رکھنا اور انھیں اپنے سے قریب تر رکھنا کیونکہ ..... اس کی برکت سے ..... اللہ تعالی تمہیں قیامت کے دن اپنا مقرب بنائیں گے۔"

امام احمد اور ترمذی نے ابوذر ؓ سے روایت کیا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے غریبوں سے محبت کرنے اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی وصیت فرمائی:

حضرت معاذ ؓ بن جبل کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ میں آپ سے بھلائی کے کاموں کے کرنے اور برائی کے کاموں سے بچنے اور مساکین سے محبت کرنے کی صفات کا سوال کرتا ہوں۔"

اس قسم کی تمام احادیث میں مسکین سے مراد ..... عرفی غریب نہیں

۔۔۔۔۔ بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کا دل مسکین ہو اور اس کے باطن میں خشوع و خضوع ہو اسی کا اثر ظاہر پر بھی ہو اور یہ صفات عموما غربت مالی کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ سرکشی، بڑائی، گھمنڈ ایسی ناپسندیدہ صفات عموما کثرت مال اور تمول کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

اور حضرت انسؓ کی مذکورہ حدیث اس مفہوم کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اس کے علاوہ نسائی نے حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حقیقی فقر، نفس کا کمزور ہونا ہے اور حقیقی مال داری دل کا غنی ہونا ہے۔" اور صحیحین کی ایک حدیث میں ہے" حقیقی بے نیازی نفس کا بے نیاز ہونا ہے"

اسی وجہ سے امام احمد ابن عیینہؒ اور ابن وھبؒ جیسے ائمہ فنون کا اس بارے میں مسلک یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس فقر سے اپنی دعاؤں میں پناہ مانگا کرتے تھے وہ فقر مالی نہیں بلکہ فقر نفسی ہے پس جس کا دل متواضع اور خاضع ہو اور اللہ تعالی کی حقیقی بڑائی و کبریائی کے آگے جھکا ہوا ہو تو وہ مسکین ہے چاہے ساز و سامان، مال و دولت کے اعتبار سے وہ کافی مال دار ہو۔ اس لیے کہ قلب کی عاجزی و فروتنی کے بغیر اعضاء و جوارح میں عاجزی و فروتنی نہیں آتی ہے ۔۔۔۔۔ اس کے برخلاف جس نے بظاہر خشوع و خضوع اختیار کیا ہو اور جو گفتگو اور اداؤں سے بڑی پستی و کسر نفسی کا مظاہرہ کرتا ہو اور مالی اعتبار سے بھی فقیر ہو مگر دل اس کا اس کیفیت سے معمور نہ ہو تو وہ متکبر ہے۔ چنانچہ امام نسائی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ آپ کے اصحاب کسی راستہ سے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بدشکل (وخستہ حال) عورت ملی۔ کسی نے اس سے کہا راستہ سے ایک طرف ہو جاؤ۔ اس نے کہا (نہیں ہٹیں گے) تم لوگ چاہے ادھر سے چلے جاؤ یا ادھر

سے چلے جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اس کو چھوڑو یہ متکبر عورت ہے" لوگوں نے کہا مگر وہ تو اپنے آپ کو بڑی مسکین بتاتی ہے، آپ نے فرمایا "اس کا دل متکبر ہے۔"

حضرت حسنؓ (بصری) فرماتے ہیں:۔ بہت سے لوگ ہیں جن کا تواضع ان کے لباس تک محدود ہے ۔ اور ان کے قلوب تکبر سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے اپنے اوپر سادہ وخستہ لباس ڈال رکھا ہے مگر اللہ کی قسم انھوں نے ان سادہ وخستہ گدڑیوں میں اس سے زیادہ تکبر چھپا رکھا ہے جتنا تخت و تاج کے مالک اپنے تخت و تاج اور لباس حریر و ریشم میں رکھتے ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے انکار فرمایا ہے کہ عمدہ لباس اور قیمتی جوتوں (وغیرہ) کا استعمال تکبر کی علامت ہے۔ بلکہ آپ نے تو واضح طور پر فرمادیا ہے ۔ "تکبر کا مسکن (آدمی) کا دل ہے اور اس کی حقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے (بلاعذر) حق سے روگردانی کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اور انھیں ایذا پہونچانا ہے ۔" پس معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے جی میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اپنی بڑائی کے مقابلہ میں دوسروں کو ذلیل و حقیر تصور کرتا ہے اور حق تعالی کی اطاعت سے منہ موڑتا اور روگردانی کرتا ہے تو وہ شخص متکبر ہے ۔ چاہے بظاہر اس کا لباس اور وضع و قطع بے نفسوں اور عاجزوں کی ہی طرح کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر کسی نے عمدہ لباس اور بڑھیا رہن سہن حقیقی کسر نفسی اور تواضع کی وجہ سے اور اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ٹھاٹ باٹ اس کے دل میں تکبر نہ پیدا کردے، چھوڑ دیا ہے تو اس کا یہ عمل قابل تنقید نہیں بلکہ مستحسن ہے ۔ چنانچہ حضرت (عبداللہؓ) ابن عمرؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نقشین کپڑے کے بارے میں جسے آپ نے پہن رکھا تھا یہ فرمانا کہ "قریب تھا کہ اس کی وجہ سے میری نماز ٹوٹ جاتی" اس بات کی تائید کرتا ہے ۔

فصل

بندگی کی فضیلت کے بیان میں

بندگی کی سب سے اعلیٰ فضیلت تو یہی ہے کہ اس صفت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوکیت اور بادشاہی کے بھی مقابلہ میں اختیار فرمایا اور بندگی کی صفت کو ملوکیت و شاہی کی نعمت سے بڑھا کر اور ترجیح دے کر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں لایا گیا وہ پاداش عمل کے ڈر سے کانپ رہا تھا ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو بس ایک قریش کی عورت کا بیٹا ہوں جس کی غربت کا عالم یہ تھا کہ گوشت کو سورج کی گرمی سے بھون کر کھایا کرتی تھی"۔ یعنی چولھے اور لکڑی وغیرہ کی سہولتیں بھی نہ تھیں ...... اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کیا کرو جس طرح نصاریٰ، عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی تعریف میں مبالغہ کے عادی ہو گئے ہیں ...... کہ کہیں انھیں جزءِ خدا، کہیں خدا کا بیٹا اور کہیں خود خدا سے تعبیر کیا کرتے ہیں ...... میں تو بس ایک بندہ ہوں لہٰذا (مجھے یہ بہت پسند ہے کہ) تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ ہی کہو۔ (ابن اللہ وغیرہ نہ کہو)۔

امام احمدؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حضرت جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھ گئے آپ نے آسمان کی طرف نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں ایک عظیم المرتبت فرشتہ

کھڑا ہے ۔ جبرئیلؑ نے فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے ۔ جب سے پیدا ہوا ہے آج تک کبھی زمین پر نہیں آیا ۔۔۔ اور اس وقت آرہا ہے ۔۔۔ چنانچہ جب وہ آگیا تو عرض کرنے لگا کہ اے نبی! مجھے آپؐ کے پروردگار نے بھیجا ہے یہ پوچھنے کے لئے کہ آپ کو بادشاہ بنایا جائے یا بندہ اور رسول ؟ آپ نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا ۔۔۔ گویا کہ مشورہ چاہتے ہوں ۔ انھوں نے کہا تواضع اختیار فرمائیے ۔ آپؐ نے فرشتہ سے فرمایا میں بندہ بننے اور بندگی کی صفات حاصل کرنے ہی کو پسند کرتا ہوں ۔

امام زہریؒ اپنی سند سے اسی واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا خیال تھا کہ فرشتے کے ساتھ اس گفتگو کے بعد سے دنیا سے تشریف لے جانے تک کبھی آپؐ نے ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا ۔ یعنی بندگی کی ظاہری صفات کا بھی آپ بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے

یحیی ابن کثیرؒ حضرت عائشہؓ سے تفصیلا اس کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ اس کے بعد سے آپ یہ فرمایا کرتے تھے "میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں ۔ " یعنی وہ غلامی و بندگی کی صفت جس کو آپ نے شاہی کے مقابلہ میں ترجیح دے کر اللہ تعالی سے حاصل کی تھی ۔ عملا اس کا اظہار بھی فرماتے کہ سادگی و بندگی ، عاجزی و فروتنی آپ اپنے تمام اعمال میں باوجود تمام کمالات عالیہ کے غالب و ظاہر رکھتے ۔

ترمذی نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالی نے مجھ سے اس بات کا پیش کش فرمایا تھا کہ میرے لیے مکہ کی پہاڑیوں کو سونا بنا دے ۔ لیکن میں نے عرض کیا ، نہیں پروردگار ! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں ۔ پھر جس دن کھاؤں تو آپ کا شکرگزار رہوں اور جس دن بھوکا رہوں تو آپ کی طرف متوجہ رہوں اور محتاجی و پریشانی کا اظہار کروں ۔ "

جس سے معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بھی سیری و فارغ البالی کے مقابلہ میں بندگی و عاجزی ہی کو پسند فرمایا کہ ہمیشہ سیری رہی تو صرف شکر کی نعمت ہی ملے گی اور مانگنے، محتاجی اور پریشانی کا اظہار کرنے نیز خدا کی طرف جھپٹنے اور لپکنے کا موقع تو محتاجی و فاقہ مستی ہی میں حاصل ہوتا ہے۔

اور بندگی کی پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی مرضی میں اس طرح فنا کردے جیسے دنیا کے مجازی آقاؤں کے سامنے ان کے مجازی غلاموں کی حالت ہوتی ہے کہ ان کی اپنی نہ کوئی رائے ہوتی ہے نہ خواہش بلکہ جو آقا کی رائے اور خواہش ہو اسی کی تکمیل میں مگن اور مصروف رہتے ہیں۔

بعض اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے بندگی اور عبدیت کا دعوی کیا مگر اس کی اپنی رائے اور خواہشات فنا نہیں ہوئیں بلکہ باقی رہیں تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اس کا یہ دعوی اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب..... اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور مرادات کے سامنے..... اس کی تمام خواہشات و خیالات مردہ ہو چکے ہوں اور وہ اپنی پہچان اور شان امتیازی، مالک کی رضاجوئی و فرمانبرداری کو بنالیا ہو۔ یعنی اپنی کسی شان امتیازی کے بجائے صرف اس بات سے جانا پہچانا جاتا ہو کہ وہ اللہ کا غلام ہے۔

ابو نعیم نے حضرت علقمہؒ بن حارث سے روایت کیا ہے کہ ان کے دادا یہ کہا کرتے تھے کہ حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ بیٹا میں نے اپنی تمام حکمت اور دانائی کو تیری سہولت کے لیے چھ باتوں میں جمع کر دیا ہے

(۱) دنیا کے لیے اتنی محنت کر جتنا تجھے اس میں رہنا ہے۔

(۲) اور آخرت کے لیے اتنی محنت کر جتنی مدت وہاں قیام کرنا ہے

(۳) اللہ کی اطاعت اتنی کر جتنی تجھے اس کی ضرورت ہے۔

(۴) اور اللہ کی نافرمانی اتنی کر جتنی عذاب سہنے کی تجھ میں ہمت اور طاقت ہے۔

(۵) اور جب تجھے مانگنا پڑے تو صرف اسی سے مانگ جو خود کسی اور کا محتاج نہ ہو
(۶) اور جب نافرمانی اور گناہ کا جی چاہے تو ایسی جگہ جا کے کر جہاں اللہ پاک نہ دیکھ رہے ہوں۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سخت دلی اور قساوت قلبی کا علاج پانچ چیزوں سے کیا جاسکتا ہے ۔ (۱) معنی و مطلب کو سمجھتے ہوئے اور وعدہ و عید سے اثر لیتے ہوئے قرآن کی تلاوت کرنا۔ (۲) باطن کو (غیر اللہ کی محبت و چاہت سے) خالی رکھنا۔ (۳) راتوں کو عبادت کرنا۔ (۴) پچھلے پہر خدا کے حضور آہ و زاری کرنا اور (۵) اللہ والوں اور نیکوکاروں کی محبت و مجالست اختیار کرنا۔

ابراہیم بن ادھمؒ کے مواعظ میں ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ اللہ تعالی نے تو فرمایا ہے کہ مجھ سے مانگو میں مراد پوری کروں گا۔ مگر ہم اللہ تعالی سے مانگتے ہیں مگر وہ ہماری حاجات پوری نہیں کرتا اور دعائیں قبول نہیں کرتا۔ اس کا کیا سبب ہے ؟ اس پر فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالی کو پہچانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے ۔ قرآن پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے ۔ شیطان کے دشمن ہونے کو خوب جانتے ہو مگر راستہ اسی کا چلتے ہو۔ نبیؐ کی محبت کے دعویدار ہو لیکن ان کے طریقہ کو نہیں اختیار کرتے ۔ جنت کی خواہش ظاہر کرتے ہو مگر اس کے حصول کے لیے جدوجہد نہیں کرتے ۔ دوزخ سے ڈرنے کی باتیں کرتے ہو مگر گناہوں سے نہیں باز آتے ۔ اور کہتے ہو کہ موت کا آنا برحق ہے مگر اس کی تیاری نہیں کرتے ۔ اوروں کے عیوب چھانتے پھرتے ہو اپنے عیوب کی پرواہ نہیں کرتے ۔ اللہ کی روٹی کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے اور اپنے مردوں کو اپنے ہاتھوں دفن کرتے ہو مگر اس سے عبرت نہیں پکڑتے ۔ پھر ان سب دانستہ، نادانستہ گناہوں اور سوچی سمجھی نافرمانیوں کے ہوتے ہوئے کیوں کر دعا قبول ہو اور کیسے اللہ تعالی تمہاری طرف متوجہ ہو۔ خود ہی سوچ لو۔

نسال اللہ العفو والعافیۃ فی الدنیا والاخرہ انہ علی کل شئی قدیر۔

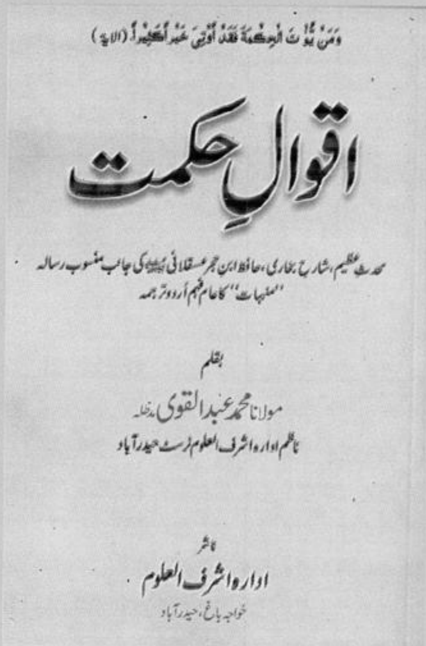

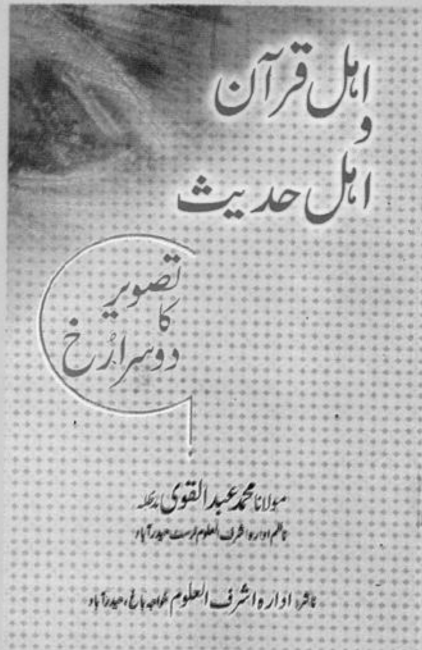

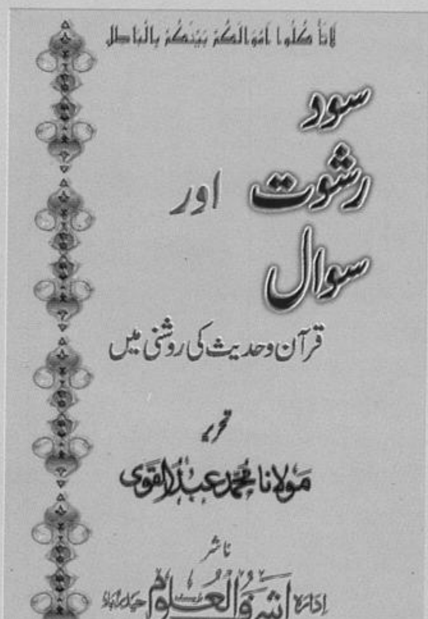

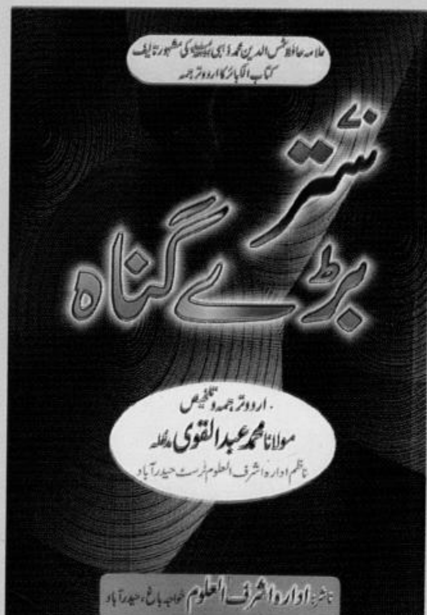

ملنے کا پتہ

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

Khaja Bagh, Saeedabad, Hyd., A.P.